ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر سائرہ ارشاد ❁

اسفارِ ہند میں تہذیبی و ثقافتی بیانیہ

(خطۂ بہاول پور کے تناظر میں)

Civilization and Cultural Narrative in Hind Travels (In the Context of Bahawalpur Region)

By *Dr. Saira Irshad, Lecturer, Dept. of Urdu, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur.*

ABSTRACT

Travelogue is such a genre of literature, thanks to which one gets to know the culture, history and geography of any region. Travelogues are written in more or less every language of the world for different purposes, motivations and needs. In a good travelogue, the style of society, civilization, ethics, history and geographical boundaries are thoroughly reviewed. Syed Masood Hasan Shahab Dehlavi, Syed Nasiruddin, Syed Anis Shah Jilani, Bushra Rehman, Nazir Naz and Hasan Abbasi are prominent among the travel writers of Bahawalpur region who visited India. In the observations of these travel writers, where there is a comparison between India and Pakistan, the relationship between the two countries has also been made a topic and important and historical buildings have been included in abundance. On the whole, the travel correspondents of this region have presented a rich reflection of the civilization and culture of India on the basis of their powers of observation.

Keywords: Culture, Geography, Travelogue, Language, Society, Civlization, Ethics.

”ثقافت“ عربی لفظ ”ثقف“ سے مشتق ہے جس کے معانی ”سیدھا کرنا“، ”مہذب بنانا“ اور ”تعلیم دینا“ کے ہیں۔ فلاح، تربیت، ذہنی ترقی، ظہورِ انسانیت، اختیار، آداب اور رکھ رکھاؤ ایک مجموعی لفظ ہے جو معاشرت اور

❁ لیکچرر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی، بہاول پور

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

تہذیب وتمدن کے لیے استعمال ہوتا ہے گویا مجموعی طور پر طرزِ معاشرت کو ثقافت کا نام دیا جاتا ہے۔تہذیب، ثقافت کی ایک شاخ ہےجس میں تحریر کا استعمال،شہروں کا وجود، سیاسی ردوبدل اور پیشہ وارانہ تخصیص شامل ہے۔ جدید دور کے محققین نے" ثقافت" کی حدود میں مذہب فلسفہ آرٹ اور معاشرہ کو بھی شامل کیا ہے اور" تہذیب" میں ہرطرح کے تکنیکی علوم شامل ہیں۔" تمدن" بھی تہذیب کی طرح ثقافت کی ایک شاخ ہے۔ یہ لفظ" مدینہ" سے نکلا ہےجس کے معانی" شہر" کے ہیں۔" تمدن" شہر کے بغیر وجود میں نہیں آتا، گویا تمدن شہری طرزِ معاشرت ومعیشت کا نام ہے۔

ادب اور زندگی میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ایک کامیاب ادیب اپنی قوت مشاہدہ کے بل بوتے پر زندگی کی حقیقتوں کا ادراک کرسکتا ہے جب کہ سفرنامے میں اسی خصوصیت کے پیشِ نظر" روداد" مرتب کی جاتی ہے۔سفرنامہ نگار صرف تاریخ وتہذیب اور جغرافیے کو ہی مدِنظر نہیں رکھتا بلکہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دل کش مناظر، دورانِ سفر درپیش رکاوٹوں اور نگاہِ باطن سے قوموں کے عروج و زوال کا جائزہ لیتا ہے، یوں داخلی و خارجی کیفیت میں ڈھل کر" سفرنامہ"منظرِ عام پرآتا ہے جب کہ دلچسپ اسلوب اسے تخلیقی فن پارہ بنادیتا ہے۔:

> ایک کامیاب سفرنامہ وہ ہوتا ہے جو صرف ساکت و جامد نظریات کا عکاس نظر نہ ہو بلکہ لمحۂ رواں میں آنکھ، کان، زبان اور احساس سے ٹکرانے والی ہر شے نظر میں سما جانے والی ہو۔[۱]

ناقدین سفرنامے کو دو اقسام میں منقسم کرتے ہیں جن میں" روایتی سفرنامہ" اور" غیر روایتی سفرنامہ" شامل ہے۔" روایتی سفرنامے" میں سفر کے مقامات سے متعارف کرایا جاتا ہے جب کہ غیر روایتی سفرنامے میں سفرنامہ نگار زمان ومکان کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی کیفیت اور جذبات واحساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے سفرنامے کا ادب سے تعلق استوار کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اسلم فرخی:

> اب سیاح کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ مخصوص ماحول اور حالات میں اپنے ذاتی اور انفرادی ردعمل کی وہ جھلک پیش کردے جس سے قاری کی ذہنی وسعت اور انسان شناسی میں اضافہ ہو۔[۲]

سفرنامے میں حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی بھی ضروری ہے ورنہ یہ محض معلومات کا ذریعہ بن جائے گا اور اس میں سادگی وسلاست کا فقدان ہوگا۔مختلف اسفار میں سیاح کی وجۂ مسافت الگ نوعیت کی ہوتی ہے لیکن سفرنامے کے بنیادی مقصد کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ایک اچھے سفرنامہ نگار کی چشمِ بینا سے دیکھی ہوئی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

چیزوں کو قاری اپنے چشمِ تخیل سے محسوس کرتا ہے۔

خطۂ بہاول پور میں قیامِ پاکستان کے بعد جن سفرنامہ نگاروں نے ہندوستان کی سیاحت کی، ان میں سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی، سیّد ناصر الدین، سیّد انیس شاہ جیلانی، بشریٰ رحمٰن، نذیر ناز اور حسن عباسی نمایاں ہیں۔ یہ سفرنامے تہذیب و ثقافت کا بھرپور عکس پیش کرتے ہیں۔اس خطے کی قیامِ پاکستان سے قبل صورتحال کی عکاسی حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے کچھ اس طرح بیان کی ہے:

> انیسویں صدی مسیحی کے آخری حصہ میں ریاست کے مالی اور ملکی انتظام میں اچھی ترقی ہوئی۔عدالت، پولیس، ہسپتال، اور تعلیم،غرض انتظام کے ہر شعبہ میں بہت خوش اسلوبی سے اصطلاحیں عمل میں آئیں۔[۳]

سیّد مسعود شہاب دہلوی کا سفرنامہ ''دِلّی نامہ'' (سفر ہی سفر) بھارت کی سیاحت پر مبنی ہے۔شہاب دہلوی بنیادی طور پر دہلی کے رہنے والے تھے۔ وہ ہجرت کے بعد بہاول پور آ گئے اور پھر یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شہاب دہلوی تقسیم ہند سے قبل دہلی میں اُردو زبان کے انسٹرکٹر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے نیز بطور شاعر اور صحافی علم و ادب کی خدمت بھی کی جب کہ ہجرت کے بعد بہاول پور کو مستقل رہائش کے لیے منتخب کیا۔شہاب دہلوی نے ''دِلّی نامہ'' میں اپنی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

> قسمت بہاول پور سے وابستہ کر دی گئی تھی یہیں معیشت و معاشرت کے رشتے استوار ہوئے تھے اس لیے یہاں کی سرگرمیوں میں ایسا منہمک ہوا کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملی یوں بھی جس سرزمین میں میرا رزق مقسوم کر دیا گیا تھا۔ اس سے وفاداری میرے نزدیک جز وایمان کی حیثیت رکھتی ہے۔[۴]

سیّد مسعود شہاب دہلوی بہاول پور سے گہری وابستگی کے باوجود فرصت کے لمحات میں خود کو دہلی کے گلی کوچوں میں پاتے تھے۔ یہ جذباتی وابستگی تا دمِ آخر قائم رہی، دہلی میں انھیں اساتذہ سے لگاؤ اور محبتوں کا حصول ملا اور وہیں سے علم و ادب سے گہری وابستگی پروان چڑھی۔انھیں صحافت سے لگاؤ بھی انھی دنوں ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ شہاب دہلوی جسمانی طور پر تو بہاول پور مقیم رہے لیکن ان کی روح بار بار دِلّی کا طواف کرتی رہی۔ کئی بار ارادے کے باوجود دِلّی جانے کا سبب نہ بن سکا۔ بالآخر نومبر ۱۹۸۲ء میں تمام مراحل طے کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے دہلی روانہ ہوئے، وہاں انھیں ہر شخص اجنبی نظر آتا ہے۔کسٹم اور چیکنگ کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر نظام الدین اولیاء کے دربار روانہ ہوجاتے ہیں۔ ان کے لیے یہ علاقہ اجنبی نہیں تھا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کیوں کہ یہیں ان کا بچپن اور جوانی کے ایام گزرے تھے۔ یہیں کافی عرصہ گزارنے کے بعد جب ۳۵ سال بعد پھر جانا ہوا تو بے شمار تبدیلیاں وقوع پذیر ہو چکی تھیں۔ شہاب دہلوی اس سارے منظر کو ماضی سے ملاتے رہے، یہ موازنہ تقابلی انداز میں بیان کیا جاتا رہا۔ شہاب دہلوی اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری کو اوّلین ترجیح دیتے ہیں جس سے ان کے دلی جذبات اور روحانی و ادبی عقیدت کا عکس دکھائی دیتا ہے:

> ثقافت نہ صرف انسان کی معاشرتی زندگی کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہے بلکہ یہ انسان کو متحرک کر کے معاشرتی ترقی کی راہ پر گامزن کرتی ہے۔(۵)

ثقافت کی تاریخ در اصل نوع انسانی کی تاریخ ہے، سیکڑوں برسوں سے یہ اپنی کسی کسی شکل میں متواتر منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے اور مسلسل مسلسل جاری رہتا ہے، لہٰذا ثقافت ایک معاشرتی اور اکتسابی عمل ہے۔ شہاب دہلوی اس سفرنامے میں تہذیب و ثقافت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ جغرافیائی معلومات کے ساتھ ساتھ تاریخی پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور ان کا اندازِ بیان محبت کے ساتھ ساتھ تازگی و شگفتگی پر مبنی ہے جس سے تاریخی واقعات ثقیل محسوس نہیں ہوتے۔ وہ معلومات کو اس انداز میں شامل کرتے ہیں کہ سفرنامہ اچھوتا انداز اختیار کر لیتا ہے۔ ایک سچائی اور حقیقت پر مبنی واقعہ من وعن بیان کرنے سے حقیقی منظر کشی ہوتی ہے نیز آسان الفاظ اور تراکیب کے استعمال سے سفرنامہ دل کش محسوس ہوتا ہے۔ یوں اس سفرنامے میں وہ ایک حقیقی سیاح کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔

سید ناصر الدین کا سفرنامہ ''چین، بھارت اور نیپال'' کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ اس سفرنامے کا دوسرا حصہ بھارت کی سیاحت پر مبنی ہے۔ سیّد ناصر الدین دہلی کی اہم عمارات کا ذکر کرتے ہیں جن میں قطب مینار، جامع مسجد، انڈیا گیٹ، برلا مندر اور لوٹس مندر شامل ہیں۔ سیّد ناصر الدین اپنے مشاہدات سے زیادہ تاریخی پہلوؤں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ دہلی شہر سے گزرتے ہوئے اس کی عظمت، تاریخی اہمیت اور رقبے کے علاوہ قدیم و جدید دہلی میں فرق اُجاگر کیا گیا۔ سیّد ناصر الدین اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ہندوستان کی راج دھانی نئی دہلی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہی تھی۔ سڑکوں کے دونوں جانب بڑے بڑے شاپنگ سنٹر، ہزار ہا پیدل لوگوں کا رش، ہر جگہ لائٹ سگنل، ایک عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔(۶)

اس سفرنامے میں گلاوٹھی کے حوالے سے تفصیل بیان کی گئی ہے جن میں ہندو مسلم آبادی، مسائل اور غربت سے متعلق مشکلات شامل ہیں۔ وہ گلاوٹھی کی اہم شخصیت منشی مہربان علی کے محل کی سیر کا احوال بیان کرتے ہیں۔ منشی صاحب نے بے شمار ترقیاتی کام کیے تھے نیز ان کی بنائی ہوئی مسجد بھی محل کی سی خوب صورت تھی اور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عمارت پرانی ہونے کے باوجود اس کی دیکھ بھال نہایت عمدگی سے کی جاتی تھی۔ سیّد ناصر الدین یہاں کے لوگوں کے اخلاق سے بہت متاثر ہوتے ہیں وہ دین سے بے پناہ محبت کرتے اور نہایت خشوع وخضوع سے نماز کی ادائیگی کرتے ہیں۔ سیّد ناصر الدین ایک دلچسپ حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہیں:

> گلاؤٹھی، ہاپوڑ، بلند شہر، رام پور اور مراد آباد میں ہر سڑک پر سور پھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو کہ پاکستان میں بالکل نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں مکانوں کی چھتوں پر کثیر تعداد میں بندر ہیں۔ ان دونوں چیزوں سے پاکستان پاک ہے۔(۷)

سیّد ناصر الدین کے اس سفرنامے میں روانی پائی جاتی ہے نیز جا بجا معلومات سے قاری کی طبیعت بوجھل پن کا شکار نہیں ہوتی۔

سیّد انیس شاہ جیلانی نے سفرنامہ ''مقبوضہ ہندوستان'' ہندوستان کی سیاحت کے بارے میں لکھا ہے۔ ''الف لام میم'' کے عنوان سے انھوں نے سفر کے اغراض ومقاصد اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ انھوں نے زندگی میں بہت کم سفر اختیار کیا اور جب بھی کہیں دوسرے شہر کا رخ کیا ہمیشہ حلقہ احباب قریب رہا۔ ٹرین کے سفر میں اب پر گھبراہٹ طاری ہوتی تو درودِ پاک کا ورد کرنے کے ساتھ ساتھ ایک لفافے پر ایک نام اور پتا لکھ کر گھڑی کے ساتھ رکھ دیتے تا کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو کام آ سکے۔ دورانِ سفر وہ اپنی تنہائی اور اکیلے پن کی وجہ سے اُکتاہٹ میں مبتلا نظر آتے ہیں جب کہ چند خطوط بھی سفرنامے میں شامل کیے گئے ہیں جن میں اپنے گھر والوں اور دوستوں سے مخاطب ہو کر طبیعت کی ناسازی کے باوجود سفر کے حوالے سے عملی قدم اُٹھائے جانے پر جہاں حیرت کا اظہار ملتا ہے وہیں وہ اپنے گھر والوں کی جدائی پر بھی افسردہ ہیں۔

> ثقافت کے بارے میں ایک طرف تو یہ قرار دیا دیا گیا کہ نامیاتی ارتقا کی مانند اس میں بھی ارتقاء ہو سکتا ہے اور دوسری طرف ذہنی صلاحیتوں اور شخصیتوں کے اظہار کا ذریعہ تصور کیا گیا۔(۸)

سیّد انیس شاہ جیلانی، رئیس امروہوی، اختر فیروز اور محمود اکبر آبادی کے ہمراہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی دعوت پر ہندوستان روانگی اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کی عادات واطوار کے حوالے سے برجستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ مہمانوں کے لیے گیسٹ ہاؤس میں رہائش کا انتظام کیا گیا ار میزبان وہاں سے روانگی کے وقت شراب فراہم کر کے گیا جب کہ گیسٹ ہاؤس میں آملیٹ اور ڈبل روٹی کے علاوہ کسی چیز کا انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ سیّد انیس شاہ جیلانی ہندوستان اور پاکستان کے مشترکہ مسائل، غربت، بے روزگاری اور بدعنوانی کے حوالے سے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نوحہ کناں دکھائی دیتے ہیں جب کہ ہندو اور مسلم سماج میں پیدا ہونے والے مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثال کے طور پر دلّی میں گزری پہلی شام پر ہی وہ اپنے وطن کی یاد میں غمگین دکھائی دیتے ہیں اور اس کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

> آؤ بچو سنو کہانی ایک تھا راجا ایک تھی رانی۔ دونوں نے مل کر کھیر پکائی مناسب حصہ لے کر اس کھیر کا ہمیں دے تو دیا۔ اب وہ ہم سے ہضم نہیں ہوتا۔ سنبھالا نہیں جاتا۔ اسے کفرانِ نعمت بھی کہہ سکتے ہیں۔(۹)

سیّد انیس شاہ جیلانی سفرنامے کو داستان گوئی سے مشابہہ قرار دیتے ہیں وہ ہندوستان کی صدیوں پر محیط تاریخ اور دونوں قوموں (جن میں ہندو اور مسلم شامل ہیں) کی باہمی کش مکش کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ یہ فسادات قیامِ پاکستان کے موقع پر جس طرح شدت اختیار کر گئے۔ اس کا اظہار مختلف لکھاریوں نے کیا جن میں سرفہرست ''سعادت حسن منٹو'' ہیں۔ قیامِ پاکستان کے نتیجے میں جس طرح بہاول پور ریاست نہ رہی اس پر وہ ایک بار پھر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ تہذیب سے ہم مخصوص طرز زندگی اور طریق معاشرت مراد لیتے ہیں۔ ہر قوم کی ایک مخصوص طرز زندگی ہوتی ہے جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہے لہٰذا کسی قوم کی ثقافت کے لطیف پہلو کو تہذیب کہا جاتا ہے۔ اس سفرنامے میں پاک و ہند کی ثقافت کا بھرپور عکس اور تقابلی جائزہ موجود ہے۔ سیّد انیس شاہ جیلانی نے ''مقبوضہ ہندوستان'' میں ماضی پرستی اور تاریخی حوالوں پر زیادہ توجہ دی ہے۔ وہ پاکستانی اور ہندوستانی شعرا کے مابین چند مشترک خصوصیات کو بیان کرتے ہیں تاہم اس حوالے سے انگریزوں کے اثرات پر بھی تبصرہ کیا جاتا ہے:

> ثقافت انسان کی تخلیق ہے۔ انسان اگر خدا کی تخلیق ہے تو ثقافت ہر وہ چیز ہے جو انسان نے پیدا کی ہے۔(۱۰)

ثقافت معاشرتی ورثے پر مشتمل ہوتی ہے جس کا تعلق داخلی اور خارجی دونوں حالات سے ہوتا ہے جبکہ تہذیب کا تعلق صرف داخلی کی سیاست سے ہوتا ہے۔ ثقافت شکل ہے اور تہذیب شکل کا ایک جزو ہے، اسی وجیہ سے یہ انسان کی حیاتیاتی اور معاشرتی ضروریات کی تکمیل کرتی ہے نیز معاشرتی اقدار، عقائد، رویات اور رجحانات کی وضاحت کرتی ہے۔ مجموعی طور پر ثقافت شخصیت کی تشکیل کرتی ہے:

> سفرنامہ نگار کا اپنا جذباتی رویہ، پسند اور نا پسند کے ذاتی معیار، اس کی مخصوص دلچسپیاں، اس کے محبوب تصورات اور سب سے بڑھ کر اس کے پالتو تعصّبات۔ یہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سب مل کر اسے وہ عینک مہیا کرتے ہیں جس سے وہ افراد اشیا کو خاص رنگوں میں رنگا دیکھتا ہے۔اسی سے اس امر کا تعین ہوتا ہے کہ اپنے سے مختلف کلچر، جداگانہ تمدن اور متضاد تہذیب کے دھاروں میں وہ کیسا رویہ اپناتا ہے۔(۱۱)

سیّد انیس شاہ جیلانی دہلی کی رونق، چہل پہل اور لوگوں کے عمومی رویے پر تبصرہ کرتے ہیں۔ پریس کلب میں مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ہندوستان کے نامور ادیب بھی شامل تھے۔ وہ رئیس امروہوی کے انداز پر طنز کا اظہار کرتے ہیں کیوں کہ وہ مشاعرے میں بے دھیانی سے شرکت کرتے ہیں اور کلام کے معاملے میں بھی ہمیشہ وہی اشعار سناتے ہیں جو پہلے بھی کئی بار پڑھے جا چکے ہوں۔

اس سفر نامے میں ہندوستان کے ناقص انتظامات پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔مرزا غالب کے مزار پر حاضری دے کر یہ قافلہ ''جمنا'' کے مقام پر پہنچا جہاں سیّد انیس شاہ جیلانی کے دوست شراب سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں جب کہ ''جمنا'' میں بھی کم وبیش یہی صورتِ حال پیش کی گئی ہے کہ جہاں ہر سو جام لنڈھائے جا رہے تھے اور کسی قسم کا ضابطہ اخلاق نہیں تھا۔اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ''گاندھی سمادھی'' کا رُخ کیا گیا جہاں ہر سو سبزہ تھا اور سیاہ پتھر کے چبوترے میں شیشے کے اندر الماری میں تھوڑی سی راکھ موجود تھی۔ سفرنامے میں ''غالب انسٹی ٹیوٹ'' کی شان دار عمارت کے متعلق بتایا گیا کہ جہاں کچھ حصہ کرائے پر دیا گیا تھا تاہم ایک بڑا اور خوب صورت کمرہ اجلاس کے لیے متعین تھا اور وہاں کے کتب خانے میں بیش بہا نادر کتابیں موجود تھیں نیز ایک حصہ غالب عجائب گھر کے لیے محدود کیا گیا تھا۔غالب انسٹی ٹیوٹ میں ایک سرسری تقریب کا انعقاد کیا گیا۔

سیّد انیس شاہ جیلانی پاک بھارت کشیدگی اور دونوں ممالک کے مابین ہونے والی جنگوں کو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حالات کی وجہ سے صرف محرومی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑا لہٰذا اب حالات میں استحکام پیدا کرنے کے لیے دونوں ممالک نہ صرف سیاسی طور پر آگے بڑھیں بلکہ ادبی سطح پر بھی فروغ حاصل ہو۔سیّد انیس شاہ جیلانی اپنے دوستوں کے متعلق بتاتے ہیں:

رئیس صاحب کے حلقے میں میں سمجھتا ہوں جون ایلیا کے توسط سے محمد علی صدیقی تھے۔انور شعور، حسن عابد، عبیداللہ علیم، سحر انصاری تھے۔شکیل عادل زادہ تو تھے ہی گھر کے ایک فرد۔تو یہ تھا ایک ٹولہ۔اب دیکھ لو یہ سب لوگ آج دنیائے ادب میں اپنا ایک مقام پیدا کر چکے ہیں۔(۱۲)

سیّد انیس شاہ جیلانی مذہبی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی صورت میں یکجا ہونے اور اپنے لیے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کلمہ حق کی صدا بلند کرنے پر زور دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ قائداعظم نے بھی مسلمانوں کے مطالبات پورے کرنے کے لیے انتھک کوشش کی جب کہ موجودہ صورتِ حال میں بھی سکھ، مسلمان اور دیگر اقلیتیں اپنی تہذیب وثقافت کے فروغ کے لیے الگ صوبوں کے نفاذ پر زور دیتی ہیں جس کے جواب میں ہندو مسلمانوں کو اپنا دشمن تصور کرنے لگتے ہیں۔ سیّد انیس شاہ جیلانی، رئیس امروہوی کے رویے سے بھی نالاں رہتے ہیں کیوں کہ وہ اختر فیروز کو اپنے ساتھ مختلف تقریبات میں شرکت کے لیے لے گئے تھے جب کہ انھیں نظر انداز کیا گیا تھا۔ گیسٹ ہاؤس میں یہ اطلاع بھجوادی گئی کہ اب مزید رہائش کے اخراجات مہمان خود ادا کریں گے۔ وہ اپنے میزبان کی بے مروّتی پر انھیں خط بھی بھیجتے ہیں جس میں سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> حضور، عزتِ نفس نام کی کوئی چیز اغلب یہ ہے کہ مجھ میں ہے۔ اگر نہ ہوتی تو تو آپ کی ہمسفری کے لطف سے دستبردار نہ ہوتا۔ حمیت وغیرت تو مدت ہوئی گئی تیمور کے گھر سے۔ (۱۳)

سفرنامے میں حضرت نظام الدین اولیا کی کرامات کے متعلق مختلف طرح کے واقعات بیان کیے گئے ہیں جس میں لوگ دربار پر حاضری دینے اور منت ماننے کی بدولت سرخرو ہوتے ہیں۔ سیّد انیس شاہ جیلانی نے جن واقعات کو قلم بند کیا ہے وہ ملازمت کے حصول، بیماری، پسند کی شادی نہ ہونے اور اسی طرز کے دیگر گھریلو مسائل پر کشف وکرامات کی بدولت حل تجویز کرنا شامل ہیں۔ اس حوالے سے دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ یہ تمام واقعات حقیقت پر مبنی ہیں۔

سفر نامہ آنکھوں دیکھے واقعات اور صورتِ حال کو دلچسپ انداز میں بیان کرنے کا نام ہے تاہم اس سفرنامے میں سیّد انیس شاہ جیلانی نے روحانی سلسلے کی اہمیت اُجاگر کرنے کا اپنے طور پر بیڑہ اُٹھایا ہے۔ وہ مغل فنِ تعمیر کا شاہکار ''تاج محل'' دیکھ کر مبہوت رہ جاتے ہیں جب کہ ہندو، سکھ اور مسلمان کی سوچ کا ان الفاظ میں جائزہ لیتے ہیں:

> سکھ اپنے مقصد حیات سے مخلص ہے۔ اس کے برعکس مسلمان وزرا کے بک جانے کی خبریں عام سننے میں آئیں مجھے تو ایسے ہندو پولیس انسپکٹر بھی ملے جو کھلے بندو رشوت دینے والوں کو دھتکار رہا تھا۔ کہنا تھا مجھے ترقی کرنا ہے میں اپنا کردار کیوں داغ دار کروں۔ (۱۴)

سیّد انیس شاہ جیلانی، محمود احمد اکبر آبادی کے خطوط سے چند اقتباس بیان کرتے ہیں جن میں ادبی سرگرمیوں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے حوالے سے بات چیت کی گئی تھی۔ وہ اس سفرنامے کا اختتام اس اقتباس سے کرتے ہیں:

ویدوں کے ہاں کائنات عظیم ہے۔ انسان حقیر ہے لیکن قرآن کے ہاں خدا کے بعد عظیم ترین مخلوق انسان ہے۔(۱۵)

پاکستان اور ہندوستان کے مابین ثقافتی تبادلے کے فروغ کے لیے ''پاک ہند پریم سبھا'' کے تحت دونوں ممالک کے مابین شعرا کا تبادلہ ہوتا تھا۔ ۸/اکتوبر ۱۹۸۲ء کا یہ سفر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اس سفر میں انیس شاہ جیلانی کو رئیس امروہوی، اختر فیروز اور محمود احمد اکبری کے ساتھ تلخ تجربے سے گزرنا پڑا۔ دلّی کے چندن گیٹ ریسٹ ہاؤس میں ان شعرا کو پانچ دن تو رہائش دی گئی تاہم اگلے دن مزید قیام کے لیے کرائے کی ادائیگی کا حکم صادر کر دیا گیا۔ ان کے لیے یہ صورتِ حال انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔

انیس شاہ جیلانی مسلمانوں کی مذہبی عمارتیں جن میں جامع مسجد دہلی، درگاہ نظام الدین اولیا اور مقبرہ امیر خسرو کے ناقص انتظام پر بھی قلم اُٹھاتے ہیں اور اس حوالے سے ہندوؤں کی ذہنی عکاسی بھی بیان کی گئی ہے کہ جو ان عمارتوں کی شان و شوکت کو ختم کر کے مسلمانوں کے تاریخی ورثے کو ملیا میٹ کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں کا اپنے ملک سے وجود کھوکھلا کر سکیں۔ اس طرح کے نت نئے منصوبے ہندوؤں کے تعصب کو اُجاگر کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر سیّد انیس شاہ جیلانی کا ''سفرنامہ مقبوضہ ہندوستان'' منفرد طرز کا حامل ہے جس میں پاکستان اور ہندوستان کے نامور ادیبوں کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

بشریٰ رحمٰن کا ''تاج محل کیوں رویا'' کے عنوان پر مشتمل سفرنامہ بھارت کی سیاحت پر مبنی ہے۔ وہ مسلم حکمرانوں کی یادگار عمارات دیکھنے کے لیے جاتی ہیں۔ اس سفر میں لال قلعہ، جامع مسجد، قطب مینار، حضرت نظام الدین اولیا کا مقبرہ اور بالخصوص تاج محل شامل ہے۔ اس سفر میں وہ اپنے دلی جذبات و احساسات کو شامل کرتی ہیں۔ بشریٰ رحمٰن نہایت اشتیاق سے یہ خوب صورت اور یادگار عمارتیں دیکھنے جاتی ہیں لیکن ان کی ناگفتہ بہ حالت انھیں رنجیدہ کر دیتی ہے۔ وہ بوجھل دل سے یہ خواہش کرتی ہیں کہ کاش! وہ ان عمارات کو پاکستان لے جائیں۔ ہر فن پارے کی ایک اپنی ساخت ہوتی ہے جیسے تاج محل مغلیہ خاندان کے فن کی نمائندگی کرتا ہے:

ہندوستان میں مسلمان کے رشتے نہ تو صرف سیاست اور حملہ آوری سے جڑے ہوئے ہیں نہ صرف مذہب سے بلکہ ان رشتوں سے پیچھے بہت سی نسلی وراثتیں اور پیڑھیوں پرانی روایتیں تھیں۔(۱۶)

بشریٰ رحمٰن سفر کے آغاز میں ایک ننھی بچی کے احساسات و خیالات پر مبنی واقعہ بیان کرتے ہوئے اسے دل

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سوز انداز میں لکھتی ہیں۔ جب یہ لڑکی آٹھویں جماعت میں تھی تو اس کی اُستانی ''تاج محل'' پر مضمون لکھنے کو کہتی ہیں۔لڑکی یوں تحریر کرتی ہے:

> شاہ جہاں کو اپنی ملکہ سے بے انتہا محبت تھی اس نے اپنی ملکہ کو ممتاز محل کا خطاب دیا تھا۔ جب اس کی پیاری ملکہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے لگی تو بادشاہ نے پوچھا۔ میں تمھارے لیے کیا کروں؟ تو ملکہ بولی... میری ایک ایسی یادگار تعمیر کرو جسے دیکھ کر لوگ مجھے رہتی دنیا تک یاد رکھیں۔(۱۷)

اس لڑکی نے تقسیم کے وقت بدامنی اور انتشار کو محسوس کیا تھا اور پھر ۳۲ سال بعد جب وہ چار بچوں کی ماں بن گئی تو ہندوستان اپنے شوق کی تکمیل کے لیے پہنچی۔ایک سکھ نے ان سے ہندوستان آنے کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ آپ کی یہاں رشتہ داری ہے تو اس خاتون نے جواب دیا کہ ہاں میرا تعلق اور رشتہ لال قلعہ، جامع مسجد اور تاج محل سے ہے۔ وہ ننھی لڑکی اور یہ خاتون خود مصنفہ بشریٰ رحمٰن تھیں جو ایک خوب صورت لاشعور میں چھپے ہوئے ماضی کو واقعاتی انداز میں بیان کرتی ہیں۔

بشریٰ رحمٰن قلعے کے اندرونی مناظر کا خوب صورت نقشہ کھینچتی ہیں۔ وہ شاہ جہاں اور دِلّی کا جائزہ لیتے ہوئے کہتی ہیں کہ شاہ جہاں خوب صورت عمارات بنوانے کا شوقین تھا اور اپنے ذوقِ جمال کو عمارات کے اندر مجسم صورت میں دیکھنا چاہتا تھا۔ بشریٰ رحمٰن چاند کی چودھویں تاریخ کو تاج محل دیکھنے کی خواہش مند تھیں لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور وہ پندرھویں شب کا تاج محل دیکھ سکیں۔ وہ تاج محل کی تاریخی اہمیت اور خوب صورتی بیان کرتے ہوئے جذباتی وابستگی بھی شامل کرتی ہیں۔ بشریٰ رحمٰن اس حوالے سے خوب صورت منظر کشی ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> جب ہم باہر نکلے تو چاند تاج محل کے منارے کو بوسہ دے رہا تھا۔ کائنات پر چاندنی کی چادر تنی تھی۔ دور بیٹھ کر ہم نے دیکھا تو ایک نیا کرشمہ نظر آیا وہ پتھر جو دن کے وقت چپ چاپ بے رنگ نظر آرہے تھے وہ چاندنی کے چھینٹے پڑتے ہی جاگ اُٹھے تھے۔ ان میں رنگ برنگی روشنیاں منعکس ہو رہی تھیں جیسے کہ لعل وجواہر جڑے ہوئے ہوں۔(۱۸)

اس طرح یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ بشریٰ رحمٰن اس روداد میں اپنے دلی احساسات و جذبات کو بھی شامل کرتی ہیں۔ یہ ان کے نمائندہ سفرناموں میں سے ایک کہا جاسکتا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نذیر ناز کا سفرنامہ" پھر وہ منظر خواب ہوئے" بھارت کی سیاحت پر مبنی ہے۔انھوں نے یہ سفر مختلف مقاصد کے تحت اختیار کیا جن میں سے اہم ان کی خرابیِ طبیعت کی وجہ سے آب و ہوا میں تبدیلی، مراکز زبان اُردو میں اُردو زبان کی موجودہ حالت کا جائزہ لینا نیز ادبی مراکز کی تہذیب وتمدن کا مشاہدہ کرنا اور اہم مسلم تاریخی عمارات کی سیر جن میں تاج محل، لال قلعہ، جامع مسجد اور عظیم ادبی شخصیات کے مزارات پر حاضری شامل تھی۔ان مقاصد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اُردو زبان سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔انھوں نے طبیعت کی ناسازی کے باوجود ایک کٹھن سفر اختیار کیا۔

اس سفرنامے میں نذیر ناز نے بھارت کے تین شہروں کی سیاحت کی جن میں نئی و پرانی دہلی، لکھنؤ اور آگرہ شامل ہیں۔انھوں نے اپنے قیام کے زیادہ دن دِلّی میں گزارے اور بھارتی مسلمانوں کا رہن سہن دیکھا نیز اُردو کی موجودہ تہذیبی وثقافتی صورتِ حال کا جائزہ لیا۔" تہذیب" سماجی ترتیب ہے جو ثقافتی تخلیق کو فروغ دیتی ہے۔ یہ معاشرے کی طرزِ زندگی اور فکر و حساس کی آئینہ دار ہوتی ہے، چناں چہ عقائد، علم وادب اور سماجی رشتے وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں:

> پاکستانی کلچر کے تشخص کا معاملہ اتنا آسان نہیں کیوں کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے مسلمان جو کلچر لائے اس کا نام بدل کر یکا یک پاکستانی کلچر نہیں رکھا جاسکتا۔اس کے علاوہ اس خطۂ ارضی پر جسے آج "پاکستان" کہتے ہیں پہلے بھی کچھ قومیں آباد تھیں جو اپنے اپنے کلچر کے مطابق زندگی بسر کر رہی تھیں اور کر رہی ہیں۔تقسیم ہند کے بعد ہندو ہجرت کر گئے۔مسلمان مختلف صوبوں میں ثقافتی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود مشترک مذہب کی بنا پر بھائی چارے کے ساتھ رہ رہے تھے۔[۱۹]

پرانی دہلی کو مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ کہا جاتا ہے۔نذیر ناز نے اپنے عمیق مشاہدے سے یہاں کی مسلم آبادی کا نقشہ کھینچا ہے کہ کس طرح مسلم اکثریت کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہے۔ یہاں کی مسلم آبادی پسی ہوئی ہے۔معاشی طور پر جائزہ لیا جائے تو ان کا شمار نہایت زیریں طبقات میں کیا جاسکتا ہے۔ثقافت دکلچر سب سے پہلے ایک حیاتیاتی معاملہ ہے چوں کہ انسان اصلاً حیوان ہی ہیں۔اسے اپنے جسمانی نظام کو زندہ رکھنے کے لیے اس ماحول سے باہر ایک دوسرا ماحول بنانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کی مادی ضرورتیں پوری کرسکتا ہے۔ یہ ماحول اجتماعی تعاون کا تقاضا کرتا ہے، اس سے ثقافت کی ابتدا کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، تعاون کی ضرورت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کا احساس بنیادی ضرورتوں کے دباؤ سے ہوتا ہے جو ماحول اس کے نتیجے کے طور پر بنتا ہے وہ ثقافت کا پہلا مرحلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ضرورتیں اور ان کے لیے تعاون کی صورتیں ثقافت کو ترقی دیتی رہتی ہیں۔اس کے بعد کچھ نئی ضرورتیں اور نئے تقاضے اسی معیار زندگی کی خاطر پیدا ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے اشیاء، اشخاص اور معاملات کے بارے میں نئے رویے پیدا ہو جاتے ہیں۔اس طرح معاشرتی ماحول روز بروز بدلتا اور ترقی کرتا رہتا ہے اس مرحلہ کو ثقافت کی ترقی بھی کہا جاتا ہے:

> قومیت کی ایک اور بنیاد ثقافتی یا تہذیبی اشتراک ہے۔قومیت بمعنی ریاست کا تصور حکمران طبقے کی بالا دستی کے مترادف ہےتو قومیت بمعنی ثقافتی یا لسانی اشتراک کےتصور کی جڑیں عوام میں پیوست ہیں۔[۲۰]

دہلی کو اُردو زبان کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور اب یہاں کے لوگ اُردو سے نا آشنا ہیں۔ اُردو اخبارات بھی تعداد میں بہت کم ہیں اور اگر کہیں سے شائع بھی ہو رہے ہیں تو غیر معیاری اور ہندوؤں کی ذہنی عکاسی کرتے ہیں۔نذیر ناز آگرہ میں نورمحل، جہانگیرمحل اور شاہکار تاج محل کی سیاحت کا احوال بیان کرتے ہیں۔ وہ ان عمارات کی تصویر کشی نہایت عمدگی سے سچے اور کھرے انداز میں کرتے ہیں۔ان عمارات کی سیر کا احوال پڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قاری بھی ان کے ہمراہ ان تاریخی مقامات کی سیر کر رہاہے،نذیر ناز ان عمارات کی سیر کے بعد تاج محل کی سیر کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں۔گائیڈ بس میں تاج محل کی تاریخی اہمیت اور شاہ جہاں کی ممتاز محل سے محبت کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔اس سیاحت کے بعد وطن واپسی کے لیے روانگی اختیار کی جاتی ہے۔نذیر ناز کسٹم آفیسر کے رویے سے متعلق لکھتے ہیں:

> کسٹم انسپکٹر نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے میرے پاسپورٹ پر دوبارہ پڑھا اور کہا کہ سامان تو لیڈیز ہے آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا ہاں البتہ کوئی خاتون ساتھ ہوتو ان کا ذاتی سامان لکھ کر لے جانے کی مکمل اجازت ہے۔شرمانے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کوئی خاتون ہے؟ میں نے عرض کی کہ ’’کوئی خاتون‘‘ تو درکنار خاتونِ خانہ بھی میرے ساتھ نہیں ہے۔[۲۱]

نذیر ناز نے یہ سفر نامہ نہایت دلچسپ اور ظریفانہ انداز میں رقم کیا ہے۔اس میں معلومات کے ساتھ ساتھ تخلیقی و ادبی چاشنی موجود ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی علالت کے باوجود ہندوستان کی سیاحت پر جاتے ہیں جو اُن کی بلند ہمتی کو ظاہر کرتی ہے۔ بلاشبہ یہ سفر نامہ بہاول پور کے اسفارِ ہند کی روایت میں خوب

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

صورت اضافہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ نذیر ناز نے جزئیات نگاری کے ساتھ مشاہداتی قوت بھی اُجاگر کی ہے اور ایک عمدہ قلم کار کی حیثیت سے سفرنامہ دلچسپ بنادیا ہے۔

حسن عباسی کا سفرنامہ ''بھارت میں چند سنہرے دن'' بھارت کی سیاحت پر مشتمل ہے۔ سفرنامے کے آغاز میں وہ پاک و ہند کشیدگی سے متعلق تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔ ہندوستان میں منعقد کیے جانے والے ایک مشاعرے میں شرکت کے بعد وہاں تعصب کی فضا پیدا ہوگئی نیز ملکی حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر انھوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ دوبارہ نہیں جائیں گے تاہم پاکستان کے نامور صحافی حامد میر نے بتایا کہ ہندوستان میں اُڑیسہ کے مقام پر "سارک پوئٹری فیسٹیول آف ینگ پوئٹس" منعقد ہو رہا ہے جس میں شاعر کا سرکاری ملازم نہ ہونا شرط قرار پایا ہے جب کہ عمر بھی ۳۵ سال سے تجاوز نہ کرے۔ لہٰذا اس حوالے سے حسن عباسی اور اکرام اللہ بسرا کا انتخاب کیا گیا۔ حسن عباسی دونوں ممالک کے مابین کشیدگی کے باعث تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں تاہم خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے بعد دونوں شاعر بھارت یاترا پہنچ گئے۔ یہاں میزبانی کے فرائض ارجیت کور کے ذمہ تھے۔ حسن عباسی شکوہ بھی کرتے ہیں کہ ہندوستانی شعرا کو پاکستان میں خوب دادرسی حاصل ہوتی ہے جب کہ پاکستانی شعرا کو وہاں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ ارجیت کور کے متعلق بتاتے ہیں کہ اسے پاکستانی کشور ناہید سمجھا جائے نیز قیامِ پاکستان سے قبل وہ لاہور میں اپنا بچپن گزار چکی تھیں۔ ان کا شمار ہندوستان کی صاحبِ طرز ادیبہ کے طور پر کیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں کسٹم کے مراحل میں جس طرح بے توقیری دکھائی دی، حسن عباسی کفِ افسوس ملتے ہوئے یہ کہنے میں عار محسوس نہیں کرتے کہ پاکستان میں اگر ایسی صورتِ حال نظر آئے تو لوگ واویلا کرتے ہیں جب کہ بھارت میں ابتری دکھائی دیتی ہے اور ناروا سلوک کے باوجود بھی چپ سادھ لی جاتی ہے۔ دورانِ سفر انھیں احساس ہوا کہ یہ سفر قیدی کی مانند ہے کیوں کہ اپنی مرضی اور آزادی سے کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حسن عباسی اپنے سفر کے متعلق لکھتے ہیں:

> صبح چار بجے لاہور سے چلے اور رات گیارہ بجے دِلّی پہنچ گئے مگر ہمارے استقبال کے لیے وہاں صرف ٹیکسی ڈرائیور تھے۔ دِلّی پہنچ کر ہم خود کو دلی طور پر حسیناؤں سے لٹنے کے لیے تیار کر چکے تھے سو تھوڑا بہت ہمیں ٹیکسی ڈرائیور بھی لوٹنے میں کامیاب ہوگئے تو کیا حرج ہے۔[۲۲]

اجیت کور اِن دونوں شاعر حضرات کی سیر و تفریح کا پروگرام اپنی مرضی سے ترتیب دیتی ہے۔ ایک مسلمان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

لڑکے کو بلا کر اسے کچھ پیسے تھما دیتی ہے اور وہ لڑکا ان دونوں حضرات کو قطب مینار لے آتا ہے۔حسن عباسی قطب مینار کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

وہ قطب مینار کی موجودہ حالت کا ان الفاظ میں جائزہ لیتے ہیں:

> اس وقت قطب مینار کی پانچ منزلیں ہیں۔ان پر اتنی نفاست سے نقاشی اور کندہ کاری کی گئی ہے کہ اگر مینار کو بازو سمجھ لیا جائے تو یہ شہ نشین اس کے کنگن اور بازو یعنی زیور ہیں۔(۲۳)

حسن عباسی قطب مینار کی تعمیر وتوسیع کے ہر پہلو کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں۔انسان اگر فانی ہے تو ان کارناموں کو اکٹھا کرنے سے یہ گمان یقین میں بدلتا ہے کہ وہ اتنا بھی فانی نہیں بلکہ اپنے آپ کو منوانے کا ہنر جانتا ہے کیوں کہ انسانی تعمیرات ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔

حسن عباسی اور ان کے ساتھی کے ہمراہ جتندر پال جولی نے بھی سفر کیا جو انتہائی خوش گوار ثابت ہوا۔یوں یہ قافلہ راج دھانی ٹرین کے ذریعے اُڑیسہ پہنچ گیا۔یہ صوبہ ہندوستان کے مشرقی ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔یہاں بے شمار تاریخی مندر، وادیاں اور پہاڑ ہیں جب کہ خوب صورت ریتلا ساحل سمندر''سن ٹیمپل'' بھی اُڑیسہ میں واقع ہے۔یہاں زیادہ تر غریب، محنتی اور جفاکش لوگ رہتے ہیں جو انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔:

> تہذیب جو بنیادی مسائل سے نظریں چرائے، وہ ایک بیمار تہذیب ہے۔(۲۴)

سارک پوئٹری فیسٹیول آف ینگ پوئٹس(SAARC Poetry Festival of Young Poets) کا افتتاحی اجلاس اور مشاعرہ سوریا ناش نامی ہوٹل میں کیا گیا۔اس مشاعرے میں بھارت کے تمام صوبوں کے علاوہ نیپال، سری لنکا، بھوٹان، افغانستان، بنگلہ دیش، مال دیپ اور پاکستان کے شعرا شامل تھے جب کہ یہ فیسٹیول فاؤنڈیشن آف سارک رائٹرز اینڈ لٹریچر نیو دِلّی اور بھارت انٹیگر یٹڈ سوشل ویلفیئر ایجنسی (BISWA) کے تعاون سے منعقد کیا گیا تھا۔مشاعرے کے آغاز سے قبل انتظامی امور کی نگرانی پر مامور لڑکیوں نے میڈیا کو غیر تسلی بخش انتظامات سے متعلق آگاہ کیا جس پر اجیت کور نے مائیک سنبھال لیا اور سخت غصّے کا اظہار کیا جواباً بنگالی لڑکی نے بھی ان کی خوب صورت درگت بنائی جس کے نتیجے میں اجیت کو معافی مانگنی پڑی اور وہ دورانِ مشاعرہ وہاں سے چلی گئیں۔

ماضی میں ثقافتی عناصر کو وسعت دینے یا ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے میں پہنچانے کے لیے وہ وسائل دستیاب نہ تھے جب کہ آج کل بہتر ذرائع مہیا ہونے کی وجہ سے ثقافتی نفوذ آسان اور عام ہو گیا ہے۔مشاعرے کا اختتام ہوا تو اُڑیسہ کا روایتی رقص پیش کیا گیا۔ہندوستان میں ''مے نوشی'' کو میزبانی کے آداب میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

شامل کیا جاتا ہے تاہم حسن عباسی اور ان کا دوست یہ طے کر کے آئے تھے کہ وہ اس طرف مائل نہیں ہوں گے:

> بسرا اور ہم تو قسم کھا کر آئے تھے چاہے کچھ بھی ہو جائے انگور کی بیٹی کو ہاتھ نہیں لگانا لنگور کی بیٹی کو لگا لیں گے۔(۲۵)

رقص کے بعد گائیکی کا مقابلہ ہوا اور پھر پُرتکلف کھانے کے بعد یہ نشست اپنے اختتام کو پہنچی۔ اگلے دن کنارک سٹی میں مشاعرہ اور سن ٹیمپل کا وزٹ شامل تھا۔ ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد تمام شاعر حضرات کنارک پہنچے، وہاں میلے کا سماں تھا۔ وسیع و عریض رقبے پر پھیلے اس خستہ حال مندر کو تفریح گاہ بنا دیا گیا تھا۔ ماہرین عمرانیات تغیرات کو ثقافت کے لیے لازمی خیال کرتے ہیں۔

''ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا'' کے ذیلی عنوان سے اُڑیسہ سے دِلّی کی طرف روانگی کے متعلق آگاہ کیا گیا ہے۔ حسن عباسی لال قلعہ میں داخل ہوتے ہیں جہاں خریداری کی اشیا انتہائی مہنگے داموں فروخت ہو رہی تھیں۔ وہ اس قلعے کے متعلق بیان کرتے ہیں:

> سرخ اینٹوں سے بنی دیواروں کی وجہ سے یہ قلعہ ''لال قلعہ'' کہلایا۔ اس قلعے کی تعمیر شاہ جہاں نے ۱۶۳۸ء میں شروع کرائی اور صرف دس سال کے عرصے میں یہ قلعہ مکمل ہو گیا۔(۲۶)

حسن عباسی نے بھارت میں چند دن گزارے تھے تاہم اس سفرنامے میں جس عمدگی سے جزئیات نگاری بیان کی گئی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی کہانی یقیناً اپنے انجام کو پہنچنے والی ہے۔ اندازِ تحریر میں نہ صرف برجستگی دکھائی دیتی ہے بلکہ ڈرامائی موڑ بھی آتے ہیں حالاں کہ اس سفرنامے کا بنیادی مقصد مشاعروں میں شرکت تھی تاہم جتنے لوگ بھی حسن عباسی سے ملے ان سب کا ایک خاص طرح کا انداز اور حرکات و سکنات اس انداز میں بیان کیے گئے ہیں کہ قاری بے ساختہ مسکرا دیتا ہے:

> ثقافت ایک قسم کا تھیٹر ہے جہاں مختلف سیاسی اور نظریاتی وجوہ اک دوسرے سے گتھم گتھا رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ ثقافت ایک ایسا میدان جنگ بھی بن سکتا ہے جہاں وجوہ خود کو دن کی روشنی میں لاتی اور ایک دوسری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔(۲۷)

سفرنامے میں حسن عباسی نے جگہ جگہ دلچسپی کے عناصر کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ تاریخی عمارات سے متعلق انتہائی مفید معلومات بیان کی گئی ہیں تاہم کہیں کہیں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ حسن عباسی خود پسندی کی کیفیت میں مبتلا ہیں یہی وجہ ہے کہ اپنی تعریف کا کوئی پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ اپنے ساتھی شاعر کی شخصیت کو نمایاں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

طور پر اُجاگر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مشاعرے میں شامل دیگر شعرا کی نسبت حسن عباسی اس خوش فہمی میں بھی مبتلا نظر آتے ہیں کہ ان کے کلام کو بہت زیادہ پذیرائی ملی تاہم مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ریاست بہاول پور کے سفرنامہ نگاروں میں حسن عباسی اپنا ایک منفرد مقام ومرتبہ لیے ہوئے ہیں۔

ہمارے ہاں ادب میں عام طور پر شاعری یا ناول وافسانہ کے لیےتو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں ہجرت اور فسادات کا ذکر ہے، تاہم سفرنامے اس حوالے سے نظر انداز ہوئے ہیں۔

مجموعی طوران اسفار کو تین طرح کے ادوار میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

پہلی قسم میں وہ سفرنامہ نگار شامل ہیں کہ جنہوں نے براہ راست ہجرےت جیسے تجربے کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اسی جذبے کے تحت سفر بھی اختیار کیا تا کہ اپنی یادوں کو تازہ کر سکیں۔

دوسرا دور اُن سفرنامہ نگاروں کا ہے کہ جو ہجرت کے تجربات سے براہِ راست نہیں گزرے تھے تاہم ان کا بچپن یا لڑکپن آزادی کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ یہ سفرنامہ نگار تقابلی انداز رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں پاک وہند کی ثقافت، معیشت، معاشرت اور تاریخی عمارات کے علاوہ اردو زبان کے فروغ کے حوالے سے جائزہ شامل ہے۔ ان سفرنامہ نگاروں میں سید ناصر الدین، انیس شاہ جیلانی اور بشریٰ ارحمٰن شامل ہیں۔

تیسری قسم ان سفرنامہ نگاروں کی ہے جن کا دور عہد حاضر پر مشتمل ہے۔ ان کے ہاں ہجرت اور تقابل سے ہٹ کر معاملات ہیں۔ یہ سفرنامہ نگار تجسّس اور نت نئی دنیا کی سیر کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔ ان سفرنامہ نگاروں کے لیے ہندوستان کی سیاحت محض تفریح کا ایک ذریعہ ہے یا وہاں کی ثقافت کو نئے رنگ ڈھنگ سے دیکھنا اور ان لوگوں کے مزاج، ماحول اور تہذیب وثقافت کو بیان کرنا ایک انوکھے تجربے کی حیثیت رکھتا ہے۔ نذیر ناز اور حسن عباسی کے ہاں یہ رنگ موجود ہے۔

حواشی

۱۔ مقبول بیگ بدخشانی، ''سرزمینِ حافظ خیام''، (لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۷۹ء)، ص۸
۲۔ جمیل زبیری، ''دھوپ کنارہ''، (کراچی: بیلا پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء)، فلیپ
۳۔ حافظ عبدالرحمٰن امرتسری، ''سیاحتِ ہند''، (امرتسر: سلسلۂ تالیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی، لمیٹڈ، ۱۹۰۹ء)، ص: ۸۵
۴۔ سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی، ''سفر ہی سفر''، (بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۸۹ء)، ص: ۸۸
۵۔ ڈاکٹر یاسمین سلطانہ، ''افسانوی ادب میں اسلامی ثقافت''، (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، جنوری، ۲۰۱۸ء)، ص: ۱۴
۶۔ سیّد ناصر الدین، ''چین، بھارت اور نیپال''، (اسلام آباد: منزل پرنٹرز، ۲۰۰۲ء)، ص: ۸۳

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۷۔ ایضاً،ص:۹۱

۸۔ ہیری ایل سپیرو (Harry L. Shapiro)،''ثقافت کا مسئلہ'' (Aspects of Culture)، مترجم سیّد قاسم محمود، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء)، ص۳۸

۹۔ سیّد انیس شاہ جیلانی،''سفر نامہ مقبوضہ ہندوستان''، (صادق آباد: مبارک اردو لائبریری، ۱۹۹۳ء)،ص:۶۲، اشاعت اوّل

۱۰۔ خاور جمیل (مرتب)،''ادب، کلچر اور مسائل''، (کراچی: رائل بک کمپنی، ۱۹۸۶ء)،ص:۳۲۷

۱۱۔ ڈاکٹر سلیم اختر،''ادب اور کلچر'' (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)،ص:۱۵۸

۱۲۔ سیّد انیس شاہ جیلانی،''سفر نامہ مقبوضہ ہندوستان''،ص:۱۱۸

۱۳۔ ایضاً،ص:۱۹۲

۱۴۔ ایضاً،ص:۳۰۷

۱۵۔ ایضاً،ص:۳۱۰

۱۶۔ محمد حسن،''اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ''، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)،ص: ۳۲۳

۱۷۔ بشریٰ رحمٰن،''براہِ راست''، (کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۹۷ء)،ص: ۲۵۲

۱۸۔ ایضاً،ص:۲۷۸

۱۹۔ عارفہ فرید،''پاکستانی کلچر کی روایات''، (کراچی: رائل بک کمپنی، ۱۹۹۳ء)،ص:۱۱

۲۰۔ ڈاکٹر روبینہ شہناز،''اردو تنقید میں پاکستانی تصورِ قومیت''، (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)،ص:۱۷

۲۱۔ نذیر ناز،''پھر وہ منظر خوب ہوئے''، (بہاول پور: بھٹی پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)،ص:۱۱۱

۲۲۔ خالد ہمایوں (مدیر)، ماہ نامہ''قومی ڈائجسٹ''، لاہور، جلد نمبر:۳۱، شمارہ نمبر:۱، جنوری ۲۰۰۹ء،ص:۹۱

۲۳۔ ایضاً،ص:۹۴

۲۴۔ ایمی سیزر (Aimé Césaire)،''نو آبادیاتی نظام کا محاکمہ''، (Discourse on Colonialism)، مترجم خالد محمود ایڈووکیٹ، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء)،ص۵

۲۵۔ خالد ہمایوں (مدیر)، ماہ نامہ''قومی ڈائجسٹ''،ص:۱۱۷

۲۶۔ ایضاً،ص:۱۳۲

۲۷۔ ایڈورڈ سعید (Edward Said)،''ثقافت اور سامراج'' (Culture and Imperialism)، مترجم یاسر جواد، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۹ء)،ص۳

ماٰخذ

۱۔ اختر، سلیم، ڈاکٹر،''ادب اور کلچر''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء

۲۔ امرتسری، عبدالرحمٰن، حافظ،''سیاحتِ ہند''، امرتسر: سلسلۂ تالیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۰۹ء

۳۔ بدخشانی، مقبول بیگ،''سرزمین حافظ خیام''، لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۷۹ء

۴۔ جمیل، خاور (مرتب)،''ادب، کلچر اور مسائل''، کراچی: رائل بک کمپنی، ۱۹۸۶ء

۵۔ جیلانی، انیس شاہ، سیّد،''سفر نامہ مقبوضہ ہندوستان''، صادق آباد: مبارک اردو لائبریری، ۱۹۹۳ء، اشاعت اوّل

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۶۔ حسن، محمد، ''اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ''، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء

۷۔ دہلوی، مسعود حسن شہاب، سیّد، ''سفر ہی سفر''، بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۸۹ء

۸۔ رحمٰن، بشریٰ، ''براہِ راست''، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۹۷ء

۹۔ زبیری، جمیل، ''دھوپ کنارہ''، کراچی: بیلا پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء

۱۰۔ سپیرو، ایل ہیری (Shapiro, Harry L.)، ''ثقافت کا مسئلہ'' (Aspects of Culture)، مترجم سیّد قاسم محمود، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء

۱۱۔ سلطانہ، یاسمین، ڈاکٹر، ''افسانوی ادب میں اسلامی ثقافت''، کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، جنوری، ۲۰۱۸ء

۱۲۔ سیزر، ایمی (Césaire, Aimé)، ''نو آبادیاتی نظام کا محاکمہ''، (Discourse on Colonialism)، مترجم خالد محمود ایڈووکیٹ، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء

۱۳۔ شہناز، روبینہ، ڈاکٹر، ''اردو تنقید میں پاکستانی تصورِ قومیت''، لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء

۱۴۔ فرید، عارفہ، ''پاکستانی کلچر کی روایات''، کراچی: رائل بک کمپنی، ۱۹۹۳ء

۱۵۔ محمود، ارشد، ''ثقافتی گھٹن اور پاکستانی معاشرہ''، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۲۱ء، اشاعت سوم

۱۶۔ ناز، نذیر، ''پھر وہ منظر خوب ہوئے''، بہاول پور: بھٹی پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء

۱۷۔ ناصر الدین، سیّد، ''چین، بھارت اور نیپال''، اسلام آباد: منزل پرنٹرز، ۲۰۰۲ء

رسائل و جرائد

۱۔ ماہ نامہ ''قومی ڈائجسٹ''، لاہور، جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۱، جنوری ۲۰۰۹ء